بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پروفیسر خورشید احمد

کشمیر کی تحریکِ آزادی کے معروضی حقائق ' پاکستان کے لیے کشمیر کی تاریخی' نظریاتی' جغرافیائی' معاشی ' سیاسی ' تہذیبی اور عسکری اہمیت ' پاکستانی عوام اور کشمیری مسلمانوں کے جذبات اور عزائم کی یکسانیت کے پس منظر میں جب پاکستان کی حکومتوں کی کشمیر پالیسی کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے تو حاصل مایوسی اور تشویش کے سوا کچھ نہیں۔ ہر سیاسی قیادت 'الّا ماشا اللہ ' کشمیر کے بارے میں ایک واضح ' مبنی بر حقیقت ' جرات مندانہ اور مربوط پالیسی اختیار کرنے میں ناکام رہی ہے۔ایک طرف قائد اعظم کے یہ الفاظ دل و دماغ میں گونجتے ہیں کہ "کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے" اور دوسری طرف اس شہ رگ کی حفاظت سے ایسی غفلت' سہل انگاری اور ژولیدہ فکری نظر آتی ہے جس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں۔

فکری انتشار کا پہلا مظہر ریاستوں کے بارے میں عمومی پالیسی کا تضاد تھا۔ اس میں یہ بنیادی نکتہ ملحوظ نہ رکھا گیا کہ ریاستوں کی قسمت کا آخری فیصلہ ان کے عوام کی رائے ہی سے ممکن ہے۔ پھر جتنے مواقع مسئلہ کے حل کے آئے' امریکہ کی خوشنودی' اپنی کم ہمتی' یا کبھی مجبوری کی وجہ سے سب ضائع کر دیے گئے۔ ہندوستان نے کشمیر پر قبضہ کے لیے فوجی قوت کا سہارا لیا تو قائد اعظمؒ نے جوابی فوجی کارروائی کا حکم دیا 'مگر پاکستانی فوج کی انگریز قیادت نے ان احکام پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ایک نادر تاریخی موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ جب ہندوستان پر عوام اور مجاہدین کا دباؤ بڑھا تو اس نے اقوامِ متحدہ کی راہ لی۔ یہاں بھی پاکستان نے ایسے موقع پر جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا جب مسلم قوتوں کا پلڑا بھاری ہو رہا تھا اور مسئلہ کا عوامی حل قریب نظر آ رہا تھا۔ ہندوستان نے نازک تاریخی لمحات کو غیر موثر بنانے کے لیے بار بار مذاکرات کا چکر چلایا' اور پاکستان کی قیادت ہر بار اس جال میں پھنستی رہی۔ سب سے اہم موقع ۱۹۶۲ کی چین۔

بھارت جنگ نے فراہم کیا تھا ' لیکن ہم ہندوستان کے سفارتی جھانسے کا شکار ہو گئے اور مذاکرات کی بھول بھلیوں میں ایک اور تاریخی موقع کو ضائع کر دیا۔ ۱۹۶۵ میں مناسب تیاری اور مقبوضہ کشمیر میں زمین ہموار کیے بغیر ایک بڑا اقدام کر دیا گیا' جس کے نتیجہ میں بالآخر تاشقند کی ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا ' علاقہ میں روس کا عمل دخل بڑھ گیا ' اور ہندوستان اور روس کے تعاون نے علاقہ کی سیاست کے نقشے کو ہی تبدیل کر دیا۔ ۱۹۷۱ کی شکست کے بعد شملہ معاہدہ کیا گیا جس کے ذریعہ ہندوستان نے کوشش کی کہ کشمیر کے مسئلہ کو ایک بین الاقوامی مسئلہ کے بجائے محض پاکستان اور ہندوستان میں "دو طرفہ معاملہ" بنا دے ۔ بلکہ اس کا اصل مقصد تو "جنگ بندی لائن" کو "لائن آف کنٹرول" میں تبدیل کر کے ' اسے بالآخر بین الاقوامی سرحد میں تبدیل کرنا تھا۔ ہندوستان کے سفارت کاروں کا دعویٰ بھی ' یہی ہے کہ اس بات کو جناب بھٹو سے تسلیم کرا لیا گیا تھا۔ مگر ایسی کوئی چیز تحریری شکل میں موجود نہیں ہے ' بلکہ معاہدہ شملہ میں بین الاقوامی معاہدات اور اقوام متحدہ کے چارٹر کی بالادستی کو تسلیم کیا گیا ہے اور کشمیر کے مسئلہ کے "آخری حل" کی ضرورت کا اقرار کیا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے بعد بین الاقوامی اداروں میں مسئلہ کشمیر کو اٹھانے سے عملاً احتراز کیا گیا۔

گذشتہ ۹ سال میں سات حکومتیں برسر اقتدار رہی ہیں۲' ان میں سے ہر ایک نے چند نیم دلانہ اقدامات عوام کو خوش کرنے کے لیے اور جہاد کشمیر کی تقویت کے لیے کیے تو اسی لمحے بیرونی ممالک کے دباؤ اور اپنی کم ہمتی کے باعث ایسے اقدامات بھی کیے جن سے اس عظیم جدو جہد کو شدید نقصانات پہنچے۔ پیپلز پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد' دسمبر ۱۹۸۸ میں راجیو گاندھی کی آمد پر' اسلام آباد سے کشمیر ہاؤس کا بورڈ اتروا دینا' اور ریڈیو ٹی وی سے آزاد کشمیر کے موسم کے اعلانات روک دینا' صرف بزدلی ہی نہیں ' کشمیر کے بارے میں کمزوری اور رجعت قہقری کی علامت بھی تھا۔ پھر جب ہندوستان کے وزیر اعظم نے کشمیر میں ریفرنڈم نہ کرانے کے جواب میں کہا کہ وہاں آٹھ بار انتخاب ہو چکا ہے' تو پاکستان کی وزیر اعظم خاموش بیٹھی رہیں۔ انھیں اتنا کہنے کی جرات بھی نہ ہوئی کہ یہ ہندوستان کا موقف ہے ' ہمارا موقف اس سے جدا ہے۳۔ اسی طرح سکھوں کے بارے میں جو روش اختیار کی گئی ' اور جس کا حال ہی میں اعتراف بھی کر لیا گیا ہے ' اس سے بھی کشمیر میں جہاد کمزور ہوا' پنجاب کے بارے میں اطمینان کا سانس لینے کے بعد بالآخر ہندوستان نے کشمیر میں بھی اپنی عسکری قوت میں تقریباً پچاس فیصد کا اضافہ کر لیا۔

جناب نواز شریف کشمیر کی آزادی کے نعرے پر انتخاب جیت کر وزیر اعظم بنے' لیکن امریکہ

کے دباؤ کی مزاحمت نہ کر سکے۔ جب پاکستان کو "دہشت گرد ریاست" قرار دینے کی دھمکی دی گئی، تو ان کی حکومت نے بوکھلا کر گھٹنے ٹیک دیے۔ تیسرے آپشن کی باتیں کی گئیں، تحریک کی امداد سے دست کشی کا آغاز کیا گیا، اور اسے غیر حکومتی اداروں (N G O s) کے ہاتھوں میں منتقل کرنے کی منصوبہ بندی ہوئی۔ عالمی سطح پر جتنی سرگرمی کی ضرورت تھی اس کا عشر عشیر بھی نہ کیا گیا۔ تیس مہینے اقتدار میں رہنے کے باوجود کشمیر کے بارے میں مربوط اور یکساں پالیسی نہ بنائی گئی۔ ان کے دور میں لبریشن فرنٹ کی پشت پناہی کی گئی، مجاہدین کو آپس میں تقسیم کیا گیا، اور تحریک کی امداد کے لیے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا گیا۔

جناب معین قریشی، نے کشمیر کے مسئلہ کو نیوکلیر پالیسی سے جوڑ کر، خود نیوکلیر پالیسی کو نئے کنفیوژن میں لپیٹ دیا۔ حالانکہ نیوکلیر پاور کی جتنی ضرورت جہادِ کشمیر کے دوران ہے، اس سے زیادہ ضرورت اس کی کامیابی کے بعد ہو گی، تاکہ پاکستان اور کشمیر کی حفاظت ہو سکے۔

پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت گو زبانی طور پر اب کشمیر کے مسئلہ میں زیادہ دلچسپی لے رہی ہے، لیکن فی الحقیقت اب بھی حکومت ایک مربوط اور مؤثر پالیسی سے محروم ہے۔ وزارتِ خارجہ کسی اور ذہن سے کام کر رہی ہے، اور کچھ دوسرے ادارے کسی اور انداز میں۔ اقتدار سنبھالتے ہی اقوامِ متحدہ سے کشمیر کی قرارداد واپس لے لی گئی، جو ایک فاش غلطی تھی۔ پھر جس طرح جنیوا میں معاملہ کیا گیا اس کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا

کارِ طفلاں تمام خواہد شد

حکومت نے مسئلہ کو اٹھانے کے لیے ایک ایسے فورم کا انتخاب کیا جس میں صرف بنیادی حقوق کی بات ہو سکتی تھی، لیکن حقِ خودارادیت کے معاملہ کو نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ پھر ہندوستان کی سفارتی مہم کے مقابلہ میں بڑے کمزور اور غیر مؤثر انداز میں وہاں پاکستان کا موقف پیش کیا گیا: متعلقہ ممالک کی تائید حاصل کرنے کی مہم غیر مرتب تھی، سفارتی ٹیم کمزور اور غیر موثر تھی، حقائق کا عدم ادراک اور صحیح معلومات کا فقدان تھا، قوم کو آخری وقت تک خوش فہمیوں میں مبتلا رکھا گیا، اور آخری وقت میں اپنے پرانے دوستوں --- چین اور ایران --- کی بھی مکمل تائید سے محروم ہو کر قرارداد کو واپس لیا گیا --- اور واپس لینے کے بعد سے آج تک یہ رٹ لگائی جا رہی ہے کہ قرارداد معلّق ہے، واپس نہیں لی گئی، اور اس سفارتی شکست کو ایک کامیابی بنا کر پیش کرنے کی بھونڈی کوشش کی جا رہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ کشمیر پر ایک حکیمانہ اور جرات مندانہ پالیسی بالکل واضح اور دو ٹوک انداز میں مرتب ہونا چاہیے۔ اس پر حکومت اور حزبِ اختلاف دونوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہونا چاہیے۔ ضرورت ہے کہ زندگی اور موت کے اس مسئلہ کو سیاست کا کھلونا نہ بنایا جائے۔ سنجیدہ غور و فکر اور مخلصانہ مذاکرات کے ذریعہ' ایک ایسی موثر پالیسی وضع کرنے کے ساتھ ساتھ' اس کے نفاذ کے لیے قومی سطح پر موثر مشینری بھی قائم کرنا چاہیے۔

کشمیر پر قومی پالیسی کیا ہو؟ یہ طے کرنے سے پہلے دو امور کا جائزہ ضروری ہے۔ پہلا یہ کہ اس وقت ہندوستان کے اسٹریٹجک عزائم کیا ہیں' اور کشمیر کے بارے میں اس کی حکمتِ عملی کیا ہے' دوسرے یہ کہ امریکہ اور مغربی اقوام' بظاہر سرد جنگ کے ختم ہو جانے اور ان کے اپنے زعم میں ایک قسم کی یک مرکزی دنیا (unipoler world) کے وجود میں آنے کے بعد' اس علاقے میں کیا کھیل کھیل رہی ہیں اور ان کے اہداف کیا ہیں۔ پاکستان کی کشمیر پالیسی کی تشکیل میں ان دونوں عوامل کو ملحوظ رکھنا' اور ان کی روشنی میں منصوبہ بندی کرنا ضروری ہے۔

ہندوستان کا اصل ہدف نہ صرف ایک علاقائی سپر پاور بننا' بلکہ ایک ورلڈ پاور بننا ہے' جسے اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھی ایک مستقل نشست حاصل ہو۔ کشمیر کے بارے میں ہندوستان ابھی تک اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ اسے قوت کے ذریعہ سے اپنے قابو میں رکھ سکتا ہے۔ جنیوا میں جو محدود سفارتی کامیابی اسے حاصل ہوئی ہے' اس نے اس کے نشہ کو کچھ اور بھی بڑھا دیا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ کانگریس اور بی جے پی' کشمیر کی حد تک' ایک دوسرے سے قریب آگئے ہیں' اور ان کے پالیسی کے اہداف میں یکسانی پیدا ہو رہی ہے۔ ہندوستانی پارلیمنٹ میں کشمیر پر جو مذموم قرار داد منظور ہوئی ہے' وہ ہندو انتہا پسندوں کی فکر کی غماز ہے۔ اب ہر فورم پر جن بحثوں کو اٹھایا جارہا ہے' وہ بھی بی جے پی کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہندوستان کی پالیسی میں تشدد اور عدم لچک میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ اس پر وہاں کے سوچنے سمجھنے والے عناصر کی تشویش میں اضافہ ہوا ہے' کیونکہ اصل زمینی حقائق سے یہ پالیسی بہت دور ہے۔ ان شاء اللہ اس کا انجام بالآخر اس سے مختلف نہیں ہو سکتا جو روس کی اسی نوعیت کی افغان پالیسی کا ہوا۔

۱۔ ہندوستان کا پہلا ہدف' کشمیر کو ہر صورت میں اپنے قابو میں رکھنا ہے۔ اس مقصد کے

حصول کے لیے وہ ایک طرف کشمیر میں اپنی تشدد کی پالیسی کو اس انتہا تک لے جا رہا ہے جسے عسکری اصطلاح میں زمین سوز حکمتِ عملی (Scortch earth policy) کہتے ہیں۔ یعنی' ہر چیز راکھ کر دو --- فصلیں' عمارتیں' انسان --- اور اس طرح دشمن پر قابو پا لو۔

۲ - دوسری طرف وہ سیاسی بات چیت کا کھیل بھی کھیلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پرانے سیاسی مہروں کو دوبارہ حرکت میں لایا گیا ہے۔ چاولہ اور راجیش پائلٹ' دونوں نے مذاکرات کا دروازہ کھولنے کے لیے نئی کوششیں شروع کی ہیں۔ دستور کی دفعہ ۳۷۰ کے دائرے میں' بلکہ اس سے باہر بھی' بشرطیکہ ہندوستان سے وابستگی رکھی جائے' مزید خودمختاری کے اشارے دیے جا رہے ہیں۔ اس بارے میں کئی نئے شوشے بھی چھوڑے جا رہے ہیں۔ مگر ابھی تک کسی سمت سے بھی کوئی مثبت ردِعمل سامنے نہیں آیا ہے۔

۳ - ہندوستان کا تیسرا ہتھیار' مجاہدین اور تحریکِ آزادی کے سیاسی محاذ کے درمیان پھوٹ ڈالنا' مجاہدین کی تنظیموں کو ایک دوسرے سے دست و گریبان کرنا' ان کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا' اور اس طرح ان کی صفوں کو کمزور اور منتشر کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ اور حزب المجاہدین کو آپس میں لڑانا' اور فرنٹ کے ذریعہ پاکستان دوست قوتوں کو کمزور کرنا' نیز کل جماعتی حریت کانفرنس میں انتشار پیدا کرنا ہے بھی اس کے منصوبے ہیں۔ ۴۔

۴ - ہندوستان کی پالیسی کا ایک اور شاطرانہ حصہ ''تیسرا آپشن'' یعنی خود مختار کشمیر ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ کچھ لوگ خلوص سے بھی ''آزادی'' کی بات کرتے ہوں گے' لیکن یہ ہندوستان کی پالیسی کا بڑا اہم حصہ ہے۔ اس نے اسے آخری حربے کے طور پر اپنی پالیسی کا حصہ بنایا ہے' کہ کشمیر ہندوستان کا حصہ نہ رہ سکے تو پھر وہ پاکستان سے مل کر پاکستان اور برصغیر کے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ کا ذریعہ بھی نہ بن سکے۔ بلکہ ایک ایسی کمزور آزاد مملکت وجود میں آجائے جسے مفاد کی جنگ میں بہ آسانی استعمال کیا جا سکے۔

امریکہ اور چند مغربی اقوام بھی اپنے مفاد کے چکر میں کسی ایسے ہی نظام کی فکر میں ہیں جس کے ذریعہ ان کو ایشیا کے اس اہم اور حساس علاقے میں اپنے قدم جمانے اور اپنے مفاد کی خاطر ایک کمزور ملک کی حیثیت سے کشمیر کو استعمال کرنے کا موقع مل سکے۔

۵ - ہندوستان ایک طرف پاکستان پر مسلسل فوجی دباؤ بھی بڑھا رہا ہے' اور دوسری طرف امریکہ اور مغربی ممالک میں پاکستان کے خلاف زبردست سفارتی مہم چلا رہا ہے' تاکہ دوسرے ممالک سے پاکستان پر فوجی' معاشی اور سیاسی دباؤ ڈلوایا جا سکے۔

یہ پانچ نکاتی حکمتِ عملی ہے، جس پر ہندوستان کاربند ہے۔ یہ حکمتِ عملی بالکل فوجی حکمتِ عملی کے طور پر بنائی گئی ہے۔ یعنی بظاہر ایک دوسرے سے غیر مربوط اہداف' لیکن دراصل مختلف امکانات کو سامنے رکھ کر' متبادل ترجیحات کی صورت میں ان کو ایک ہی پالیسی کا حصہ بنایا گیا ہے۔ تاکہ اگر ایک ہدف حاصل نہ ہو سکے' تو دوسرا یا تیسرا حاصل کیا جا سکے' اس طرح خود مذاکراتی پوزیشن میں تغیّر و تبدیلی بھی ممکن ہو سکے۔

"خود مختار کشمیر" کی بات ہندوستان نے اسی وقت سے شروع کر دی تھی جب اسے ابتدائی دور ہی میں یہ اندازہ ہونے لگا تھا کہ اگر استصوابِ رائے ہوا تو اس کے نتیجہ میں کشمیر کے عوام پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کریں گے۔ حالانکہ اقوامِ متحدہ کی قرارداد میں صرف دو آپشن واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں' یعنی ہندوستان یا پاکستان سے الحاق۔ ۲۸ جنوری ۱۹۴۸ کو اقوامِ متحدہ کی سیکورٹی کونسل کے صدر نے مسئلہ کی جامع اور قاطع تشکیل اس طرح کی:

> جو وثائق ہمارے سامنے ہیں وہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ دونوں پارٹیوں (یعنی ہندوستان اور پاکستان) کے درمیان مندرجہ ذیل تین امور پر مکمل اتفاق ہے:
>
> (۱) یہ سوال کہ ریاست جموں و کشمیر کا الحاق ہندوستان سے ہو گا یا پاکستان سے' اس کا فیصلہ استصوابِ رائے کے ذریعہ ہو گا۔
>
> (۲) استصواب کا انعقاد ایسے حالات میں کیا جائے گا جن کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ مکمل طور پر غیر جانبدار ہیں۔
>
> (۳) یعنی یہ استصواب اقوامِ متحدہ کے زیرِ اہتمام منعقد ہو گا۔

یہی وہ موقعہ تھا کہ ہندوستان کے نمائندوں نے "خود مختار کشمیر" کا شوشہ چھوڑا۔ گوپال سوامی آئنگر نے' جو اقوامِ متحدہ میں ہندوستان کے نمائندہ تھے' ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ کو کہا:

> ہم سب نے اتفاق کیا ہے کہ [کشمیر کے] معاملات کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق فیصلہ طلب امور ہیں۔ ان میں یہ مسئلہ بھی شامل ہے کہ آیا کشمیر ہندوستان سے اپنے الحاق کی نفی کرتا ہے' یا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کرتا ہے' یا آزاد رہنے کا فیصلہ کرتا ہے' جس میں وہ خود اقوامِ متحدہ کا رکن بن سکے۔

اس کے بعد ۱۹۶۴ میں شیخ عبد اللہ پاکستان آئے' اور فیلڈ مارشل ایوب سے ملاقات کی۔ اس میں انھوں نے "خود مختار کشمیر" اور کشمیر' ہندوستان اور پاکستان کے کنفیڈریشن کی بات کی' جسے

صدرِ پاکستان نے مؤثر انداز میں رد کر دیا' اور کہا کہ یہ ایک آپشن نہیں' ایک استعماری سازش ہے۔ بقول الطاف گوہر' اس مسئلہ پر شیخ عبد اللہ نے یہ بھی کہا کہ "اہلِ کشمیر کا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے"۔۵۔

بدقسمتی سے ایک زمانے سے خود پاکستان کی وزارتِ خارجہ اور کچھ دوسری ایجنسیوں کے چند "دانشور" اس بات کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ وہ اپنی خام خیالی میں اسے ہندوستان پر دباؤ ڈالنے کا ایک مؤثر ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ اپنے ملک اور ملتِ اسلامیہ کے حقیقی عزائم اور مفادات سے بے خبری' اور خود اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلانے کی اس سے زیادہ افسوس ناک مثال اور کیا ہو سکتی ہے!

کشمیر کی تحریکِ مزاحمت آج اس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ کشمیر کا ہندوستان سے وابستہ رہنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے' اس لیے "خود مختار کشمیر" کی بات کو مختلف شکلوں اور منصوبوں کی صورت میں ایک بار پھر پیش کیا جا رہا ہے۔ ضروری ہے کہ اس کے نتائج و عواقب کو سامنے رکھا جائے۔

ہندوستان کا اصل مقصد تحریکِ مزاحمت کو کمزور کرنا' کشمیر کے مسلمانوں کو الجھاووں میں ڈالنا' تحریک کو پاکستان اور اہلِ پاکستان کی ہمدردیوں سے محروم کرنا' اور بالآخر ---- اگر ہندوستان کے لیے کشمیر پر قبضہ ناممکن ہو جائے ---- اسے حقیقی آزادی' اور پاکستان سے مل کر ایک مؤثر قوت بن جانے سے روکنا ہے۔ وہ کسی صورت بھی پاکستان کو مضبوط دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر کشمیر ہاتھ سے جاتا ہے جب بھی وہ خود مختار کشمیر کے شوشے کے ذریعہ کشمیر اور پاکستان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرے' اور کشمیر کے ان عناصر کے ساتھ ساز باز کے ذریعہ جو اب تک بھی اس کا آلہ کار بنے رہے ہیں' کشمیر کی اسلامی قوتوں سے ان کو نبرد آزما کرے' کشمیریوں کو مسلسل لڑاتا رہے' اور کشمیر اور پاکستان میں نزاع اور تصادم پیدا کرے۔ تاکہ پاکستان اور کشمیر دونوں کو کمزور کرنے کا کھیل کھیل سکے۔

یہاں مغربی اقوام کے کردار کا ذکر بھی ضروری ہے۔ امریکہ نے پہلے تو مسئلہ کے وجود کا اعتراف کرنے سے احتراز کیا۔ لیکن جب انسانی حقوق کی پامالی اور خود امریکی رائے عامہ اور ارکانِ کانگریس کے دباؤ سے اسے اس مسئلہ کو تسلیم کرنا پڑا' تو اس کے پالیسی ساز ایسے منصوبے بنانے میں مشغول ہو گئے جن سے علاقے میں امریکی مقاصد کو حاصل کرنے میں مدد مل سکے۔

امریکہ ایک طرف اس علاقے میں ہندوستان کی بالا دستی کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ

پورے جنوب اور جنوب مشرقی ایشیا میں ہندوستان کو ایک بڑی طاقت کی حیثیت سے تسلیم کرانا چاہتا ہے۔ اس کا ایک مقصد چین کے مقابلہ میں ایک ایسی قوت کی پشت پناہی ہے جو ایشیا میں طاقت کے توازن کو متاثر کرسکے۔ نیز صیہونی اور سیکولر لابی نے جس طرح اسلامی احیا کی تحریک کو امریکہ اور مغرب کے ابھرتے ہوئے دشمن کی طرح پیش کیا ہے' اس پس منظر میں بھی سیکولر ہندوستان کو' جو اب سوشلزم سے تائب ہو کر سرمایہ داری کا علمبردار بن چکا ہے' ایک حلیف کی حیثیت دی جا رہی ہے۔ امریکہ کے دانشوروں کی طرف سے اس زمانہ میں چند تجاویز پورے زور شور سے پیش کی جا رہی ہیں۔ ان سب کا اصل مقصد ہندوستان کی اس حیثیت کا تحفظ اور علاقے میں امریکہ کے اپنے قدم مضبوط کرنا ہے۔ مثلاً

۱۔ کشمیر میں موجودہ لائن آف کنٹرول ہی کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیا جائے' اور اس طرح معاملہ کو رفع دفع کر دیا جائے۔

ہندوستان کا تو معاہدہ شملہ کے بعد ہی سے یہ ہدف رہا ہے۔ اہل کشمیر اور پاکستان نے اس کو بالکل مسترد کر دیا ہے' پھر بھی امریکی اور ہندوستانی دانشور برابر اس کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال امریکن کانگریس کی امور خارجہ کمیٹی کے سربراہ' لی ہملٹن کی وہ تقریر ہے جو واشنگٹن کی ایشیا سوسائٹی کے اجلاس میں کی گئی۔ اس سے پہلے سیلگ ہیری سن اور سٹیفن سولارز' جو انڈیا لابی کے سرخیل رہے ہیں' ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد بنانا پاکستان اور اہل کشمیر کے لیے تو ہمیشہ ہی سے ناقابل قبول تھا' اب سیاسی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں بھی یہ ناقابل غور ہو گیا ہے۔ یہ منصوبہ ان شاء اللہ بہت جلد اپنی موت آپ مرجائے گا۔

۲۔ جس سکیم پر زیادہ کام ہو رہا ہے' وہ یہ ہے کہ جموں اور لداخ کے ہندو اکثریت کے علاقے ہندوستان میں مدغم کر دیے جائیں' باقی علاقے کو ایک آزاد یا نیم آزاد ریاست کی شکل دے دی جائے۔ اس کی مختلف شکلیں بیان کی جارہی ہیں' یعنی'

(الف) گلگت اور شمالی علاقہ جات پاکستان میں ملا دیے جائیں' اور موجودہ آزاد کشمیر سمیت باقی حصے کو ایک آزاد یا نیم آزاد ریاست بنا دیا جائے۔

(ب) گلگت' شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر کو پاکستان میں ملا دیا جائے' اور صرف کشمیر کی وادی اور جموں کے مسلم علاقوں کو ملا کر ایک ریاست بنائی جائے۔

(ج) "خود مختار کشمیر" کو' (اس کی حدود جو بھی طے ہوں)' ہندوستان اور پاکستان دونوں کی

سرپرستی اور مشترکہ حاکمیت (Condiminium) کے تحت رکھا جائے۔

(د) "خود مختار کشمیر" کو ۵ سے ۱۰ سال کے لیے اقوامِ متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں دے دیا جائے۔

(ھ) "خود مختار کشمیر" مکمل طور پر آزاد ہو' اور اس کی ترقی کے لیے امریکہ اور مغربی ممالک اسی طرح مدد کریں جس طرح غزہ اور اریحہ کے فلسطینی علاقہ کے متعلق منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔

۳۔ ایک سکیم یہ بھی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کو ایک وحدت رکھا جائے' مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کو ملا کر ایک ریاست بنے' اور یہ پوری ریاست مکمل طور پر ایک آزاد ریاست ہو۔ اسے اقوامِ متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں دیا جائے' یا یہ ہندوستان اور پاکستان کی مشترک حاکمیت میں ہو۔

ہماری نگاہ میں یہ سب تجاویز مسلمانانِ کشمیر اور پاکستان کے خلاف سازش کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا اصل مقصد مسئلہ کشمیر کو حل کرنا نہیں' مستقل الجھا دینا ہے۔ اور علاقہ میں دائمی کشمکش اور خود مسلمانوں کے درمیان تصادم اور افتراق کا بیج بونا ہے۔

سیدھی بات یہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے مسئلہ کا تعلق تقسیمِ ملک کی اس سکیم سے ہے جس پر ہندوستان اور پاکستان کی ریاستیں قائم ہوئیں۔ مسئلہ کی سیاسی' اخلاقی اور قانونی بنیاد تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا ہے' جسے ہندوستان نے آج تک مکمل نہیں ہونے دیا۔ اب وہ چاہتا ہے کہ اتنی قربانیوں کے باوجود یہ معاملہ طے نہ ہو پائے۔ ہندوستان نے اپنے مفاد کی خاطر تو حیدر آباد جیسی ریاست پر قبضہ کیا' گوا جیسے بین الاقوامی علاقہ کو فوج کشی کے ذریعہ اپنے قبضہ میں لیا' کشمیر کو بہ زور اب تک اپنے قابو میں رکھا' سکم اور بھوٹان کی حاکمیت کا مذاق اڑایا' مالدیو میں فوج بھیجی' مشرقی پاکستان کو فوج کشی کے ذریعہ پاکستان سے کاٹا' سری لنکا میں کھلی کھلی مداخلت کی۔ لیکن اب جبکہ کشمیر کا مسئلہ صحیح رخ پر عوام کی مرضی کے ذریعہ سے حل ہونے کی امکانات پیدا ہو گئے ہیں' تو اس مسئلہ کو مزید الجھانے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ اگر ایک مرتبہ ہم تقسیم ملک کے اساسی اصول سے انحراف کرتے ہیں تو پھر منصفانہ حل کے پیچھے کوئی قانونی اور سیاسی بنیاد باقی نہیں رہے گی۔

مسئلہ کشمیر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہندوستان نے گذشتہ ۴۷ سالوں میں جموں و کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب کو ایک منصوبہ کے تحت کم کیا ہے۔ ۱۹۴۱ کی مردم شماری کے مطابق مسلمان پوری ریاست کی آبادی کا ۸۰ فی صد تھے۔ ۱۹۵۱ میں مقبوضہ کشمیر میں ان کا تناسب ۷۰ فی

صد رہ گیا۔ ۱۹۹۱ کی مردم شماری کے مطابق اب یہ تناسب ۶۲ فی صد ہو گیا ہے۔ ان حالات میں یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ ' اگر استصواب ہوا اور اس میں دو کی بجائے تین آپشن دیے گئے ' تو ہندو آبادی اور مفاد پرست مسلمان متفقہ طور پر ہندوستان کے حق میں رائے ڈالیں ' اور باقی مسلمانوں کا ووٹ پاکستان اور خود مختار کشمیر کے درمیان بٹ جائے۔ اس طرح ہندوستان وہ مقصد حاصل کر لے جو وہ آج تک نہ سیاسی چالوں سے حاصل کر سکا اور نہ عسکری قوت سے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جغرافیائی ' معاشی ' اسٹریٹجک وجوہ سے اس حساس علاقے میں کسی چھوٹی سی ریاست کا آزاد رہنا مشکل ہے۔ یہی ہندوستان اور مغربی اقوام کا مقصد ہے کہ اس علاقے میں ایک ایسی کمزور ریاست بن جائے جس کا انحصار ان کی مدد پر ہو ' اور اس طرح وہ پاکستان اور چین کی سرحد پر اپنے قدم جما سکیں اور علاقے کو مستقلاً ایسی سازشوں اور علاقائی تنازعات کی آماجگاہ بنا سکیں۔ چین پر اس کے دور رس اثرات ہوں گے ' اور چین اور تبت میں بھی اس طرح انتشار اور افتراق کے بیج بوئے جا سکیں گے۔

اس طرح نظریاتی اعتبار سے بھی اس علاقے کو ' نہ صرف یہ کہ اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ بننے سے روکا جا سکے گا بلکہ مغربی ثقافت ' تہذیب اور معیشت کے اثرات کے لیے سارے دروازے کھولے جا سکیں گے۔ خود اسرائیل کے مشیر اور پالیسی ساز انھی خطوط پر علاقے کے مستقبل کے نقشے بنا رہے ہیں۔ ان تمام سازشوں کا مقابلہ صرف ایک صورت میں ممکن ہے۔ وہ ہے پاکستان سے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق ' اور پھر اس پوری قوت کا اسلامی احیا اور ایک مضبوط پاکستان کی تشکیل و تعمیر کے لیے استعمال۔

یہاں ہم ایک وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ الحاق کے بعد ' جہاں پاکستان کی تعمیر و ترقی میں مسلمانان جموں و کشمیر اپنا بھرپور کردار ادا کریں گے وہاں یہ پاکستان کا عہد ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے لوگوں کی مرضی سے یہ طے کیا جائے گا کہ پاکستان سے اس کے تعلق کی نوعیت ' اور ریاست کا نظام چلانے کا نقشہ کار کیا ہو گا۔ اس بات کی ضمانت پاکستان کے دستور میں دفعہ ۲۵۷ کی شکل میں دی گئی ہے۔ اور یہ دفعہ انھی الفاظ کے ساتھ ۱۹۵۶ ' ۱۹۶۲ اور ۱۹۷۳ کے دساتیر میں درج ہے:

> جب ریاست جموں و کشمیر کے عوام پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کریں ' تو پاکستان اور مذکورہ ریاست کے درمیان تعلقات مذکورہ ریاست کے عوام کی خواہشات کے مطابق متعین ہوں گے۔ (دفعہ ۲۵۷)

ہندوستان یہ بات بھی بار بار پیش کرتا ہے کہ اگر ریاست جموں و کشمیر کا الحاق پاکستان سے ہو جائے تو اس کے بڑے خراب اثرات ہندوستان کے مسلمانوں پر پڑیں گے۔ ان کے جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ ہندوستان مذہبی اور فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آجائے گا۔ اس طرح یہ خود مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے۔ یہ دلیل جنیوا میں بھی بڑے شد و مد سے دی گئی۔ ساری عرب دنیا میں ہندوستان کے سفارت کار اس دلیل کو پیش کر رہے ہیں' اور چند ہندوستانی مسلمانوں کو بھی اس بات کو پھیلانے کے لیے آلہ کار بنا رہے ہیں۔ لیکن اگر ذرا سا غور کیا جائے تو اس دلیل کا بوداپن الم نشرح ہو جاتا ہے۔

پہلی' بات تو یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم ایک اصول کی بنیاد پر ہوئی جسے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے تسلیم کیا۔ وہ اصول اگر ۱۹۴۷ میں صحیح تھا تو آج غلط کیسے ہو گیا؟

دوسری' بات یہ ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کے حل اور ہندوستان اور پاکستان سے الحاق کے لیے استصواب کے راستے کو بھی ہندوستان' پاکستان' اقوام متحدہ اور کشمیری عوام نے تسلیم کیا' یہ ایک معاہدہ عمرانی ہے جس پر عمل ضروری ہے۔ اس کو فرقہ واریت کا نام دینا اور فرقہ وارانہ فسادات کا ہوا دکھا کر اس معاہدہ کو ختم کرنے کا آخر کیا جواز ہو سکتا ہے؟

تیسری' بات یہ ہے کہ گذشتہ ۴۷ سال سے ریاست جموں و کشمیر کا بڑا حصہ جبر کے ذریعہ ہندوستان کا حصہ رہا ہے۔ لیکن کیا اس وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کو کوئی تحفظ حاصل ہوا ہے' جموں و کشمیر کے مسلمانوں کو' یا خود ہندوستان کے مسلمانوں کو؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت بل کا واقعہ اسی زمانے میں ہوا اور مسلمانوں کے خون سے خود جموں و کشمیر میں ہولی کھیلی گئی؟ کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں خود سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۹ ہزار سے زیادہ مسلم کش فسادات ہوئے ہیں' جن میں لاکھوں مسلمان شہید اور زخمی ہوئے اور اربوں روپے کی ان کی املاک تباہ کر دی گئیں یا لوٹ لی گئیں۔ کیا کشمیر کے ہندوستان کا حصہ ہونے نے مسلمانوں کو کوئی تحفظ مل سکا؟ کیا اس زمانہ میں ہزاروں مسجدوں کو شہید نہیں کیا گیا؟ انھیں مندروں میں تبدیل نہیں کیا گیا؟ کیا بابری مسجد کو اسی زمانہ میں شہید نہیں کیا گیا' اور کیا کشمیر کا ہندوستان پر قبضہ اس ظلم کو روک سکا؟ اگر گذشتہ ۴۷ سال میں مسلمانان ہند کی قسمت نہ جاگ سکی تو کشمیر پر مزید قبضہ سے کیسے جاگ جائے گی؟

چوتھی' بات یہ غور طلب ہے کہ کیا برصغیر کی تقسیم اور دونوں ملکوں میں مسلمانوں اور غیر

مسلمان آبادی کی تقسیم کا معاملہ مسئلہ کشمیر سے مشروط تھا؟ کیا ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمت کو کسی درجہ میں بھی اور کسی وقت بھی کشمیر کے مسئلہ سے وابستہ کیا گیا تھا یا آج ہی ہندوستان کے مسلمان کشمیر کے مستقبل کے بارے میں یرغمال بنا دیے گئے ہیں؟

پانچویں' بات یہ غور طلب ہے کہ خود کشمیر کے مسلمان آخر ہندوستان کے اقتدار کے خلاف کیوں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ حق خودارادیت اس کی اصل بنیاد ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ۴۷ سال میں جو تجربہ جموں و کشمیر کے مسلمانوں نے کیا ہے اس سے یہ بات ان پر حق الیقین کی حد تک واضح ہو گئی ہے کہ ہندوستان کی حکومت نے مسلمانوں کی آبادی کو کم کرنے' ان کے دین' ان کی ثقافت' ان کے اخلاق و کردار' ان کی تعلیم و تربیت' ان کی معیشت' ہر میدان میں ان کو سیکولر نظام کے نام پر ہندو ثقافت اور کلچر کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔ نہ ان کی جان اور مال کو تحفظ تھا اور نہ ان کے اخلاق' کردار' اقدار اور تہذیب و تمدن کی حفاظت کا کوئی انتظام۔ یہی وہ چیز ہے جس نے ان کو مجبور کیا کہ بیش بہا قربانیاں پیش کر کے اپنے آپ کو ہندوستان کے قبضہ سے آزاد کرائیں۔ آزادی کی اس جدوجہد کو اور خودارادیت کے اس حق کو اب ہندوستان کے مسلمانوں کے نام پر سلب کرنا ایک نئی استعماری چال ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

پھر ایک اور بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ علاقے کے مسلمان اتنے ہی زیادہ محفوظ ہوں گے جتنا پاکستان مضبوط ہوگا' اور اتنے ہی کمزور ہوں گے جتنا پاکستان کمزور ہوگا۔ اس کا تجربہ سارک کے تمام ممالک کر رہے ہیں۔ ہندوستان کا کوئی بھی ہمسایہ اس کی دست درازیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ بنگلا دیش تک ہندوستان کی چیرہ دستیوں سے پریشان ہے۔ نیپال' سکم' بھوٹان' سری لنکا' مالدیو ہر ملک اپنی آزادی اور عزت کو بچانے کے لیے پریشان ہے' اور پاکستان کی طرف اس امید سے دیکھتا ہے کہ مضبوط پاکستان خود ان کے لیے تقویت کا باعث بنتا ہے۔ یہی معاملہ ہندوستان کے مسلمانوں کا ہے۔ اور تقسیم ملک کے معاہدے اور خصوصیت سے لیاقت - نہرو پیکٹ کا یہی پیغام ہے۔

ہم نے جو گزارشات اوپر کی ہیں یہی ہندوستان کے مسلمانوں کے دل کی آواز ہے' وہ اپنے نام پر کشمیر کے مسلمانوں کی غلامی کو ہندوستان کی ہندو قیادت کی ایک چال سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دہلی کے ہفت روزہ ریڈینس نے بالکل کھلے الفاظ میں یہ لکھا ہے:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس آئی کی نگاہ میں ہندوستان کے پندرہ کروڑ سے زیادہ کی

مسلمان اقلیت ' کشمیر کے پس منظر میں' وہی حیثیت رکھتی ہے جو شطرنج میں پیادہ اور ایک بے جان مہرہ کی ہوتی ہے۔ ایک نہایت غلط لیکن جان بوجھ کر زور و شور سے پیدا کیا جانے والا تاثر کہ مسلمانوں کی حیثیت یرغمال سے بہتر نہیں۔

سوال دراصل یہ ہے کہ کیا مسلمان اقلیت ۔۔۔ آج کی مسلمان اقلیت' کشمیر کے الحاق میں ایک فریق اور شریک کی حیثیت رکھتی تھی۔ اگر نہیں تو پھر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اس تنازع میں وہ کہاں سے شریک بن جاتے ہیں؟

کیا ہندوستانی مسلمانوں نے اس تنازع میں کبھی بھی کوئی مثبت یا منفی رول ادا کیا ہے ؟ اگر نہیں تو پھر آج انھیں گھسیٹ لانے کا کیا قانونی اور اخلاقی جواز ہو سکتا ہے۔

کیا مسلمانان ہند اور مسئلہ کشمیر میں کوئی حقیقی تعلق اور ربط ہے ؟ اگر نہیں تو پھر وہ کیا محرک ہے جس کی بنا پر انھیں اس معاملہ میں گردن زدنی قرار دیا جا رہا ہے۔

کیا جب پاکستان پر پنجاب میں خالصتان کی تحریک کی تائید کا الزام لگایا جا رہا تھا تو باقی تمام ہندوستان کی خالصہ کمیونٹی کو بھی ایسے ہی نظریہ کی گرفت میں لیا گیا تھا؟ اور کیا مسلمانان ہند کے بارے میں یہ تمام نہایت غیر ذمہ دارانہ بیانات جو بظاہر نہایت ذمہ دار حضرات کی زبانوں پر جاری ہیں' دراصل ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف اکثریتی فرقہ کو اکسانے کے مترادف نہیں؟ کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کو یہ ترغیب دی جائے کہ جیسے ہی کشمیر ہندوستان کے چنگل سے نکلتا ہے' ہندوستانی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو اور گلی کوچے میں ان کا قتل عام کرو ؟ کیا اس طرح ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف ایک معاندانہ فضا تیار نہیں کی جا رہی ؟

ہمیں دکھ ہے کہ یہ باتیں وہ ہی نہیں کہہ رہے جو متعصب ہندو ہیں یا ایم ایم جوشی اور بال ٹھاکرے جیسے لوگ ہی یہ زبان استعمال نہیں کر رہے' بلکہ مرکزی وزرا اور اس کے سفیر یہ باتیں کہہ رہے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان پاکستان اور اسلامی عرب دنیا اگر ہندوستان کے مسلمانوں کے تحفظ سے دلچسپی رکھتی ہے تو پھر اسے جموں و کشمیر کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ اور اگر انھوں نے جموں و کشمیر میں دلچسپی لی تو اس کا نقصان ہندوستان میں ان کے ہم مذہبوں کو ہو گا۔

اگر اس حکمت کا نام ہندوستانی مسلمانوں کو یرغمالی بنانا نہیں' تو خدارا ہمیں بتاؤ' اسے کس نام سے پکاریں؟

جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے کانگریس اور بھارتیہ جنتا پارٹی میں حد فاصل ختم ہوتی جا رہی ہے۔ وزیر اعظم نرسمھاراؤ کو جنیوا میں انسانی حقوق کے کمیشن کے سامنے ہندوستان کی وکالت کے لیے بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر اٹل بہاری واجپائی کے سوا کوئی اور نہ مل سکا، وہی واجپائی جس نے بار بار کہا ہے کہ "تقسیم ہند پر خط تنسیخ پھیر دو"۔ کیا اب کانگریس بھی اسی مسلک پر آگئی ہے؟ یا یہ آنے والے دور کی ایک جھلک ہے؟ ۶؎

ان حالات میں پاکستان کی کشمیر پالیسی کیا ہو؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ کشمیر پالیسی کا مقصد پاکستان اور علاقے کے مسلمانوں کے عزائم اور حقیقی مفادات کا حصول ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ کے بنیادی حقائق یہ ہیں:

۱۔ مسئلہ کشمیر، ریاست جموں و کشمیر کے سوا کروڑ مسلمانوں کے ایمان، عزت، آزادی اور سیاسی اور تہذیبی مستقبل کا مسئلہ ہے۔ یہ تقسیم ملک کے نامکمل ایجنڈے کا حصہ ہے، پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ یہ محض دو ملکوں کے درمیان سرحدی تنازع نہیں۔ اس لیے ہماری سیاسی ترجیحات میں اسے اولیت دینا چاہیے۔

۲۔ مسلمانان جموں و کشمیر نے اپنی بیش بہا قربانیوں کے ذریعہ اس مسئلہ کو زندہ رکھا ہے، اور اس وقت اسے اس مقام تک پہنچا دیا ہے جہاں ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ممالک یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اس مسئلہ کو حل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ لیکن جموں و کشمیر کے عوام کے ساتھ ساتھ، اس مسئلہ کے فریق پاکستان، ہندوستان اور اقوام متحدہ بھی ہیں۔ پاکستان کا فرض ہے کہ ایک فریق کی حیثیت سے مسئلہ کو لے کر اٹھے، اور ہر میدان میں اس کے حل کے لیے سرگرم ہو --- تحریک جہاد کی مدد کے ذریعہ بھی، اور عالمی رائے کو منظم اور مسخر کر کے بھی۔

۳۔ پاکستان اس اٹل موقف سے ہرگز دست بردار نہ ہو کہ مسئلہ کشمیر کے حل کا صرف ایک طریقہ ہے۔ وہ ہے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق استصواب رائے۔ اس استصواب میں بھی صرف دو ہی راستے ہیں: یعنی ہندوستان یا پاکستان سے الحاق۔ کسی تیسرے آپشن کا دروازہ کھولنا خودکشی کے مترادف ہے، پاکستان کے لیے بھی اور مسلمانان جموں و کشمیر کے لیے بھی۔

پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے موقف کو پوری جرات اور دانشمندی سے پیش

کرے۔ پاکستان یہ بات بھی واضح کر دے کہ الحاق کے فیصلہ کے بعد' پاکستان اور ریاست جموں و کشمیر میں تعلقات کی نوعیت' نظم و نسق اور انتظام و انصرام کا نقشہ' اور خود اختیاری کی شکل و نوعیت کیا ہو' یہ تمام امور ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی مرضی کے مطابق طے ہوں گے۔

۴ - پاکستان کا فرض ہے کہ مجاہدین کشمیر کی بھرپور مدد کرے اور اس کے اعلان میں شرمندگی نہ محسوس کرے۔ پاکستان نے کشمیر کی خاطر گذشتہ ۴۷ سال میں بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ آج جب کشمیر کے نوجوان کشمیر اور پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں' ہم ان کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ ہماری جنگ لڑ رہے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر بھی ان کی مدد کریں' ان کی ہر ضرورت کو پورا کریں' اور ہندوستان نے ان پر مظالم کے جو پہاڑ گرائے ہیں ہم صحیح معنی میں ان کے پشتی بان بن جائیں۔

۵ - پاکستان کی حکومت اور عوام کے ساتھ ساتھ' اس جدوجہد میں آزاد کشمیر کی حکومت اور عوام کی بھی بڑی ذمہ داری ہے۔ پاکستان کی حکومتوں کی طرح' آزاد کشمیر کی حکومت بھی اپنے اصلی مشن کو بھول چکی ہے۔ وہ محض آزاد علاقہ کی حکومت نہیں' بلکہ پوری ریاست جموں و کشمیر کی آزاد حکومت ہے' اور مقبوضہ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد اس کا اولین مقصد ہے۔ اسی لیے اسے بیس کیمپ کا لقب دیا گیا تھا۔ اب ضرورت یہ ہے کہ گروہی سیاست سے بالا ہو کر' آزاد کشمیر کی حکومت اور عوام تحریک جہاد میں بھرپور حصہ لیں' اور اپنی ترجیحات کو یکسر بدل کر تحریک آزادی کو اس کے منطقی اور فطری نتیجہ تک پہنچانے کے لیے سرگرم ہو جائیں۔

۶ - حکومت پاکستان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اگرچہ یہ مقصد محض سیاسی اور سفارتی جدوجہد سے حاصل نہیں ہو سکتا' مگر سیاسی اور سفارتی مہم بہت اہم ہے اور اب تک اس کے تقاضے بھی پورے نہیں کیے جا سکے ہیں۔ محض چند وفد باہر بھیجنے سے کام نہیں ہو گا۔ اس کے لیے بڑے ہمہ گیر' منظم اور موثر کام کی ضرورت ہے' جس کے تحت پوری دنیا میں ہر علاقے کے حالات کے مطابق' تحریک کشمیر کے تعارف اور اس کے لیے تائید کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا ہو گی۔ ہماری وزارت خارجہ آج تک اس مقصد میں ناکام رہی ہے۔

اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے وزارت کی تنظیم نو ہو' اور کشمیر ڈیسک سب سے اہم ڈیسک ہو۔ ہر اس ملک میں جہاں ہمارا سفارت خانہ ہے' کشمیر سیل قائم کیا جائے۔ علم اور صلاحیت رکھنے والے افراد کو' جو کشمیر کے لیے صحیح جذبہ رکھتے ہوں' اس کام پر لگایا جائے' اور اس طرح عالمی سطح پر ایک موثر تحریک چلائی جائے۔

۷ - پوری پاکستانی قوم کو حالات سے آگاہ رکھنا اور جذبہ جہاد سے سرشار کرنا بھی اس پالیسی کا اہم جز ہونا چاہیے۔ جب تک پوری قوم کو اس تحریک کے لیے متحرک نہیں کیا جائے گا' کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہر اسکول ' کالج اور یونیورسٹی میں' ہر شہر' قصبہ اور دیہات میں' ہر مسجد اور مدرسہ میں' ہر کارخانہ اور بازار میں' جہاد کشمیر سے لوگوں کو متعارف کرایا جائے اور اس میں شرکت کے لیے --- مال سے' جان سے' ہر صورت میں --- آمادہ کیا جائے۔ قوم میں بڑا جذبہ ہے لیکن اسے آج تک صحیح انداز میں متحرک و منظم نہیں کیا گیا۔

۸ - حکومت پاکستان کو اپنے بجٹ کو بھی ان ترجیحات کی روشنی میں از سرنو مرتب کرنا ہو گا۔ جہاد کشمیر کی ضروریات کو اولیت دینا ہو گی' اس کے ساتھ ساتھ نیوکلیرپاور کی مناسب ترقی' فوج کو چوکس رکھنا اور قوم کے نوجوانوں کو جہاد کے لیے تیار کرنا ضروری ہے۔ اس بات کا خطرہ ہے کہ جب کشمیر میں حالات ہندوستان کی گرفت سے بالکل نکلنے لگیں گے تو وہ پاکستان پر جنگ مسلط کرنے کی کوشش کرے گا۔ کشمیر پالیسی کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ہم جنگ کے لیے تیار رہیں۔ تاریخ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو قوم جنگ سے خائف رہی ہے' وہ اپنی آزادی سے بھی محروم ہو گئی ہے۔ اور جو قوم جنگ کے لیے تیار رہی ہے' وہی اپنے ایمان' عزت و آزادی کو محفوظ رکھ سکی ہے۔ سابق امریکی صدر نکسن نے بہت صحیح کہا تھا کہ "ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قوت کے استعمال سے دست برداری' دراصل دشمن کو اپنے خلاف قوت کے استعمال کی دعوت دینے کے مترادف ہے"۔ بلکہ نکسن نے تو یہاں تک کہا ہے کہ "صرف تیار ہی نہ رہو' مخالف کو یہ پیغام بھی دے دو کہ تم ہر قوت کے استعمال کے لیے تیار رہو' یہ وہ چیز ہے جو دشمن کو تم پر دست درازی سے روکے گی"۔ اسی بات کو ہنری کسنجر نے ایک دوسرے انداز میں کہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "اگر امن کے معنی محض جنگ سے بچنا لے لیے جائیں' اور یہ چیز ایک قوم یا بہت سی اقوام کے مجموعہ کا بنیادی مقصد بن جائے' تو سمجھ لو عالمی سیاسی نظام سب سے زیادہ بے رحم اور سنگ دل ملک کے رحم و کرم پر ہو گا"۔ اس لیے جنگ سے بچنے کا بھی سب سے موثر راستہ جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا ہے۔

۹ - ہندوستان پر موثر دباؤ ڈالنے کے لیے چار ہی اہم طریقے ہیں اور ان چاروں کو موثر انداز میں اور مربوط منصوبہ بندی کے ذریعہ استعمال ہونا چاہیے۔

(ا) تحریک آزادی کشمیر کی بھرپور اور موثر مدد' تاکہ مقبوضہ کشمیر میں قابض قوت پر اتنا دباؤ پڑے اور اسے قبضہ کی اتنی گراں قیمت ادا کرنی پڑے کہ وہ پرامن حل کے لیے تیار ہو جائے۔

(۲) عالمی رائے عامہ کو منظم کرنا' اور اس کا دباؤ اتنا بڑھانا کہ ہندوستان اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق استصواب رائے کے لیے مجبور ہو۔ اگر فرانس کو الجزائر چھوڑنا پڑا' اگر اقوام متحدہ کو نمیبیا میں استصواب رائے کروانا پڑا' اور اگر جنوبی افریقہ تین سو سالہ نسلی امتیاز کے نظام کو ختم کرنے پر مجبور ہوا' تو ہندوستان کو بھی کشمیر میں استصواب پر مجبور کیا جا سکتا ہے' اور بہت جلد کیا جا سکتا ہے۔

(۳) ہندوستان اور اس کی مصنوعات کے بائیکاٹ کی عالمی مہم۔ پاکستان خود اس کا آغاز اپنے تمام تجارتی تعلقات منقطع کر کے کرے۔ تمام مسلمان ممالک کو اس کی ترغیب دی جائے کہ او آئی سی کی اپریل ۱۹۹۴ کی قرارداد کے مطابق ہندوستان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں۔ اس وقت صرف مشرق وسطٰی میں ہندوستان کی کل برآمدات کا تقریباً ۵۰ فیصدی جا رہا ہے۔ اگر ایک موثر عوامی اور سرکاری تحریک چلائی جائے تو یہ معاشی دباؤ بھی ہندوستان کو مجبور کرے گا کہ کشمیر میں استصواب کرائے۔ پھر عالمی پلیٹ فارم پر بھی معاشی پابندیوں کا مطالبہ کیا جائے۔ سیکورٹی کونسل میں' جنرل اسمبلی میں' دنیا کی مختلف پارلیمانوں میں' یہ قرار دادیں منظور کرائی جائیں۔ عوامی بائیکاٹ کی مہم کے ساتھ ساتھ سرکاری پابندیوں کی تحریک بھی چلائی جائے۔ اگر اس واضح ہدف کے لیے کام کیا جائے تو جلد فضا تبدیل ہو سکتی ہے۔

(۴) قوم کو جہاد کے لیے تیار کرنا' فوج کا چوکس رہنا اور نیوکلیر پاور کا صحیح درجہ میں موجود ہونا۔ ایک طرف یہ چیز بیرونی جارحیت کے لیے موثر مانع ثابت ہو گی' اور دوسری طرف ہم کو وہ استطاعت حاصل رہے گی کہ اگر دشمن کوئی دست درازی کرتا ہے تو اس کا موثر جواب دیا جا سکے۔ نیوکلیر پاور کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے محدود جنگ کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں اور مکمل جنگ سے اجتناب ممکن ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس دفاعی اسٹرٹیجی میں نیوکلیر پاور کا موثر کردار ہے۔

۱۰۔ مندرجہ بالا خطوط پر مرتب کردہ کشمیر پالیسی کی کامیابی کے لیے ضروری ہو گا کہ اس کے نفاذ کے لیے بھی ایک موثر مشینری وجود میں لائی جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ پالیسی' اور اس کی تنفیذی مشینری قومی بنیادوں پر استوار کی جائے۔ تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کا فرض ہے کہ اس سلسلہ میں مثبت کردار ادا کریں۔ پارلیمنٹ کو اس بارے میں مناسب ابتدائی اقدامات کرنا چاہئیں۔ میڈیا کا رول بھی غیر معمولی اہمیت کا حاصل ہے۔ اس کام کے لیے ایک قومی تحریک کی ضرورت ہے۔

ضعفِ ارادہ

ضعفِ ارادہ کا ابتدائی ظہور کام چوری کی صورت میں ہوتا ہے۔ آدمی ذمہ داریاں قبول کرنے سے جی چرانے لگتا ہے۔ مقصد کی راہ میں وقت' محنت اور مال خرچ کرنے سے گریز کرنے لگتا ہے۔ دنیا کے ہر دوسرے کام کو اس کام پر ترجیح دینے لگتا ہے جسے وہ زندگی کا نصب العین قرار دے کر آیا تھا۔ اس کے اوقات میں' اس کی محنتوں میں' اس کے مال میں' اس کے نام نہاد مقصدِ حیات کا حصہ کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے اور جس جماعت کو وہ برحق جماعت مان کر اس سے وابستہ ہوا تھا' اس کے ساتھ وہ صرف نظم اور ضابطے کا تعلق باقی رکھتا ہے۔ اس کے بھلے اور برے سے کوئی غرض نہیں رکھتا' نہ اس کے معاملات میں کسی قسم کی دلچسپی لیتا ہے۔

(ایک بندہ خدا)

(اشتہار)